AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com/

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

علامہ اقبال کی فارسی شاعری میں تصورِ عشق کی پیشکش؛ تحقیق و تجزیہ

ڈاکٹر حافظ منصور احمد

اسسٹنٹ پروفیسر فارسی، یونیورسٹی آف سرگودھا

١

Abstract:

Dr. Muhammad Iqbal is one of the greatest poets of Urdu and Persian. He has written many Urdu and Persian poetry books. Allama Iqbal's Persian body of poetry has one core element: love or Ishq, which depicts his spirituality and philosophical understanding. Iqbal, both a poet and a philosopher, was a man of vision; he conceptualizes Ishq as a romantic love, rather, as a force that can reach humankind's fullest potential, raise them spiritually, and create a bond with God. This article looks into the deep and complex images of Ishq by Iqbal, shedding light on the earthly and divine aspects of it. The study illustrates how Iqbal approaches khudi and love as stepping stones to reach the higher realm, and reimagines Ishq as the key to self-realization. He elaborates on Iqbal's methods and approach by placing him in the dissemination of love by classic poets. This article cites Allama's brand of mysticism and the connections that Ishq makes in terms of universal spirituality. So, this becomes a testimony to Allama's exceptional poetics vision and his ability to fuse individualism with universalism. All of his Persian poetry books including "Asrar-e-Khudi", "Ramooz-e-Be Khudi", "Piam-e-Mashriq", "Zaboor-e-Ajam", "Javed Nama", "Pass Cheh Bayad Karad Aey Aqwam-e-Mashriq" and "Urmaghan-e-Hijaz" contain numerous verses depicting Iqbal's clear philosophical views about Ishq.

کلیدی الفاظ: علامہ اقبال، فارسی شاعری، تصورِ عشق، عقل، روحانیت، انسان، عشقِ حقیقی، خودی

ادب کسی بھی معاشرے کی آواز ہوتا ہے۔اس کا کام معاشرے کے رنگ اور تخیل اور قلبی کیفیات کے رنگوں میں رنگ کر پیش کرنا ہے اردو ادب کا تعلق چونکہ بدیشی زبانوں سے بہت زیادہ ہے اس لیے ہر دور کے ادب علما اور انشاپردازوں نے اردو کے خمیر میں شامل زبانوں کی روایات اور ترجیحات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قلمی زور آزمائی کی ان زبانوں میں سب سے زیادہ عربی اور فارسی کو مدِ نظر رکھا گیا گو کہ ولی دکنی کے اردو کلام سے اس دور کے شعرا کی ترجیحات فارسی سے ریختہ کی طرف مبذول ہوئیں لیکن فارسی کی اہمیت اسی طرح برقرار رہی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ معاشرے کی فضا، انسانی ذہن و نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے مگر دنیائے عالم میں کچھ افراد ایسے بھی پیدا ہوئے ہیں جو معاشرے کی تعین کردہ روش پر چلنے کی بجائے اپنا جداگانہ تاثر برقرار رکھ کر معاشرے کو متاثر کرتے رہے ہیں۔علامہ محمد اقبال کا شمار بھی ایسے اکابرین میں ہوتا ہے جو ماحول سے متاثر ہونے کی بجائے ماحول کو متاثر کرتے ہیں۔اقبال نے اپنی بصیرت، قوتِ فہم اور نئی طرز، فکر سے شعرا کے لیے ایسا راستہ متعین کیا جو روایت کے ساتھ جدت اور ندرت کا متقاضی ہے۔چونکہ اس دور میں سماجی اقدار زوال پزیر تھیں معاشرہ انحطاط کا شکار تھا۔بے چینی و بے قراری کے ساتھ عدم تحفظ کا احساس معاشرے کو ہر طرح سے پستی کی طرف دھکیل رہا تھا ان حالات میں اقبال کی شاعری تاریکیوں میں روشنی کی شمع بن کر جلی معاشرتی زاویوں کو دیکھتے ہوئے اقبال نے اپنی شاعری کے موضوعات کو حقیقت کے قریب ترین رکھا شاعری کو مقصدیت کے لبادے میں اس طرح بیان کیا کہ فنی لوازمات بھی موجود رہے اور کلام کی تاثیر بھی باقی رہے۔ایک مشکل مرحلہ ہے جس کو اقبال نے احسن طریقے سے نبھایا ہے۔ولی دکنی سے لے کر اقبال تک اردو اور فارسی شاعری میں دو موضوعات خاص اہمیت کے حامل رہے ہیں ان میں ایک تصورِ حسن ہے اور دوسرا تصورِ عشق۔اقبال نے اپنے کلام میں ان دونوں بنیادی مضامین کے روائتی انداز سے انحراف کیا اور ان کو ایک نئے انداز سے بیان کیا ان کی فارسی شاعری میں خاص طور پر تصورِ عشق مجاز سے زیادہ حقیقت اور روحانیت کے قریب ہے اس مقصد کے لیے انہوں نے روائتی شاعری کو اپنے خونِ جگر سے سینچ کر تحریک کی صورت

بخشی جس سے مضامین آفاقی رنگ میں ابھر کر سامنے آئے اسی بنا پر ان کے کلام میں فکر کا عنصر غالب نظر آتا ہے وہ عشق کو حقیقت کے قریب رکھتے ہوئے بھی تغزل کی صورت کو برقرار رکھتے ہیں ان کا فارسی شعر دیکھیے:

عشق سوہاں زد مرا آدم شدم
عالمِ کیف وکمِ عالم شدم (1)

(اردو ترجمہ: عشق نے مجھے سان پر چڑھایا تو میں آدم بنا اور میں نے اس جہان کی اشیا کا علم پایا)

اقبال کے نزدیک عشق ایسا جذبہ جو انسان کو کائنات کے مخفی رازوں سے آشنا کرتا ہے اس کی تڑپ دل کے زنگ کو اتار کر اس کو روشن اور بینا کرتی ہے۔دل کی بینائی وہ دیکھتی ہے جس کو آنکھ دیکھنے سے قاصر ہے یہی وجہ ہے کہ اقبال کے فارسی کلام میں عشق کو عقل اور حسن پر فوقیت دی گئی ہے۔انسان کو اپنی حقیقت سے آشنائی عشق ہی کی بدولت ہوتی ہے۔عشق انسان کو خود شناس،کائنات شناس اور خداشناس بناتا ہے اقبال اسی جذبے کی بدولت رازِ آدمیت کا درس دیتے ہیں اقبال کے فارسی کلام میں عشق کے تصور کا بنیادی ڈھانچہ گہرے تفکر اور روحانی جذبے کا متقاضی ہے ان کے اردو کلام کی نسبت فارسی میں تصورِ عشق کی جہات کے پردے زیادہ ہیں یہی وجہ ہے کہ فارسی مفکرین اور ادیبوں نے اقبال پر بہت زیادہ کام کیا ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

"زبان کی شراکت کی وجہ سے فارسی میں علامہ اقبال پر اتنا کام ہوا کہ چند نام گنوا دینے سے بات نہیں بنتی بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مشہور انقلابی مفکر علی شریعتی علامہ اقبال کے غیر مشروط مداحوں میں سے تھے۔"(2)

اقبال پر فارسی کے اہلِ زبان ادبا اور مفکرین کا کام ان کی ادبی حیثیت اور فارسی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔علامہ اقبال عشق کے جذبے کو ہی انقلاب سمجھتے تھے اور اسی طرزِ فکر کو انسان کی سوچ کا محور قرار دیتے تھے اسی لیے ایرانی انقلابی مفکر علی شریعتی اقبال کے ممدوح رہے اور ان کی فکر کی ترویج کے لیے اپنے تاثرات قلم بند کرتے رہے۔فارسی میں اقبال کے تصورِ عشق کی گہرائیوں میں ان اہلِ زبان نے مختلف رازوں کو آشکار کیا ہے۔عشقِ حقیقی ہو یا مجازی اس میں تڑپ اور درد کی لذت محرک کے طور پر کام کرتی ہے۔اسی حوالے سے اقبال کہتے ہیں"

نالہ افشا گر اسرارِ عشق
خونبہائے حسرت گفتارِ عشق (3)

(اردو ترجمہ: ایسے نالے جو عشق کے راز کھولنے والے تھے اور جنہیں عشق کی حسرتِ گفتار کا خون بہا کہنا چاہیے)

اقبال کے نزدیک دلوں کی تڑپ اور رویے کی بیداری عشق کی بنیاد ہے اس بنیاد سے ہی کائنات کے رازوں کے در کھولے جا سکتے ہیں۔عشق کی لگن ایسے نالوں کو جنم دیتی ہے جو اس جذبہ کی حلاوت سے انسان کو مسحور کر کے اس کے قلب و دماغ کو روشن کر دیتی ہے عشق کا جذبہ ہی انسانی حیات کا وہ راز ہے جو اس پر کائنات کے رازوں کو کھولتا ہے اسی لیے اقبال اس جذبے کو حسرتِ گفتار کا خون بہا کہتے ہیں۔ان کی فارسی شاعری میں قرآن و حدیث سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔ان کے فارسی کلام میں عشق کو رازوں کا گہوارا قرار دینا حقیقت میں گہرے اسلامی مطالعہ کی بدولت ہے اقبال کے نزدیک عشقِ حقیقی سے ہی انسان کائنات کے اصلی ادب کو دیکھ سکتا ہے۔کائنات انسان کی دسترس میں تبھی آسکتی ہے جب انسان اس کی حقیقی تصور سے آگاہ ہو جائے۔یہ عشقِ حقیقی انسان کو کائنات کے اسرار کا امین بنا دیتا ہے۔قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

الم تران اللہ سخّر لکم مافی الارض(4)

ترجمہ: اے انسان کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں تیرے لیے مطیع بنا دیا ہے۔

کائنات اور انسان کا وجود اس عالم میں مرکزی کردار ہیں۔اگر انسان کائنات کے وجود کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا تو وہ اپنی اصلیت سے بھی آگاہ نہیں ہو سکتا جس کی وجہ سے کائنات کے فطری نظام میں تضاد برپا ہوتا ہے اور وجودِ انسان، نظامِ کائنات کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے اقبال کا نظریہ عشق،اسی نکتے کے گرد گھومتا ہے کہ انسان اس معمورہ عالم کی گردش اور اس کے حوادث سے کیوں واقف نہیں ہوتا۔اسلامی نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ انسان کائنات اور اس میں چھپے ہوئے خزانوں اور رازوں کو

اپنا مطیع کرے اور اس کی اصلی شکل کو سامنے لا کر اپنے وجود کی حقیقت کو سمجھے یہ وہ راز ہے جس کو اقبال اپنے فارسی کلام میں بار ہا بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک کائنات کے رنگ اور اس کی نبض، عشق کی بدولت رواں ہے۔ اقبال اسی ضمن میں لکھتے ہیں؛

یہ برگِ لالہ رنگ آمیزی عشق
بجانِ بلاانگیزی عشق
اگر ایں خاکداں را واشگافی
درونش بنگری خونریزی عشق (5)

(اردو ترجمہ: گلِ لالہ کے پتوں میں عشق کی رنگ آمیزی ہے۔ ہماری جان کے اندر عشق کا شور ہے اگر تو اس دنیا کو چیرے کو دیکھے تو تجھے اس کے اندر عشق کی خونریزی نظر آئے)

دنیا کی تمام زبانوں میں شعرا، ادبا اور مفکرین کچھ لفظوں کو ان کے لغوی معنی کی بجائے مرادی معنوں میں استعمال کرتے ہیں اور بعض دفعہ اپنی خاص بصیرت سے اس کے معنی ہی بدل دیتے ہیں۔ جیسا کہ اقبال سے پہلے لفظ 'خودی' تکبر کے معنوں میں بیان کیا جاتا تھا اقبال نے اسے خود شناسی کے معنی دے کر اس لفظ کی معنویت میں مثبت اضافہ کیا اسی طرح اقبال کی شاعری میں لفظ 'لالہ' کا استعمال ملتا ہے۔ لالہ ایک پھول کا نام ہے جو گہرے سرخ رنگ کا ہوتا ہے لیکن کلام اقبال میں خصوصاً اقبال کے فارسی کلام میں لفظ 'لالہ' عاشق کے مضطرب دل کے کنائے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا شعر میں بھی 'لالہ' کو ٹوٹے ہوئے دل اور غمزدہ دل سے معنون کی ہے۔ گلِ لالہ کے پتوں میں عشق کی رنگ آمیزی سے مراد عشقِ حقیقی کا رگ رگ میں بس جانا ہے۔ دل کے ذریعے خون پورے جسم کو منتقل ہوتا ہے لالہ کو دل سے اور پتوں کو انسانی رگوں سے کنایہ بنا کر اقبال نے عشق کے تصور کو ایک نئے انداز سے بیان کیا ہے جو ان کی فارسی شاعری میں گہرے شعور کا عکاس ہے۔ اقبال کے نزدیک اس کائنات کا جگر چاک کرنے سے خونریزی آشکار ہو گی۔ یہ تصورِ عشق، وسعتِ ذہن اور وسعتِ قلبی کا متقاضی ہے۔ کائنات کے رنگ عشق ہی کی بدولت چمک رہے ہیں۔ اس میں بقا کا عنصر، عشق کی مرہونِ منت ہے۔ یہ تصورِ عشق اقبال کی فارسی شاعری میں جہاں کائنات کے اسرار و رموز کو بے نقاب کرنے کی سعی کرتا ہے وہاں انسانی عظمت کے احساس کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ اقبال کے نزدیک عشق ایک ایسی کیفیت ہے جو مختلف لوگوں میں مختلف احساسات و جذبات کا محرک بنتی ہے کیوں کہ انسانی اعمال کا دارومدار اس کی سوچ پر منحصر ہوتا ہے اسی سلسلے میں اقبال کہتے ہیں:

بہر دل عشق رنگ تازہ بر کرد
گہے با سنگ گہ با شیشہ سر کرد
ترا از خود بود در چشم تر دادا
مرا با خویشتن نزدیک تر کرد (6)

(اردو ترجمہ: ہر دل میں عشق نئے رنگ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی یہ پتھر سے موافقت کرتا ہے اور کبھی شیشے سے۔ تجھے اس نے اپنا آپ بھلا دیا اور رونا سکھایا اور مجھے اس نے اپنے آپ سے نزدیک کر دیا)

انسانی نفسیات پیچیدہ اور گنجلک ہے اسی لیے ہر انسان کی سوچ کا زاویہ دوسرے انسان سے مختلف ہے وہ کائنات کے نظام کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر سوالوں کے جوابات خود سے معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے اس عالم کی صورت اور اس کی حقیقت کے بارے ہر انسان نے جاننے کی کوشش کی ہے اور یہ جاننے کی خواہش ہی انسان کے پختہ عقیدے کا باعث بنتی ہے کیوں کہ تجسس انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ اور کائنات کے مختلف رنگ اس تجسس کی حس کو جلا بخشتے ہیں۔ کائنات کے یہ رنگ اس کے خیالات کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔ خورشید احمد لکھتی ہیں:

"ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا کی کوئی چیز بھی سادہ اور بے رنگ نہیں ہے ہر جگہ اس کے دل کو کھینچنے، اس کی آنکھوں کو بیدار کرنے اور اس کے کانوں کو کھولنے کے دلفریب مناظر، بے حجاب جلوے اور شعری نغمے موجود ہیں" (7)

کائنات کی وسعتیں، انسانی تجسس کو جلا بخش کر اس کو حقیقتِ ازلی کے قریب کرتی ہیں اسی ضمن میں اقبال اپنے فارسی کلام میں عشق کا مدعا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جذبہ ہر دل میں نئے انداز، نئی سوچ اور نئے ڈھنگ سے پیدا ہوتا ہے کبھی یہ عشق پتھر کی مانند سخت اور بے اثر ہوتا ہے جو حقیقت کی تصویر کو دیکھنے سے عاری رہتا ہے اور کبھی یہ شیشے کی مانند شفاف ہوتا ہے جس میں معمورہ عالم کی صاف تصویر نظر آنے لگتی ہے جس میں بنے عکس، انسانی ذہن و قلب پر نقش ہو کر اس پر کائنات کے رازوں کو افشا کرتے ہیں۔

اقبال نے اسی عشق کی تاثیر کو بیان کرتے ہوئے رطب اللسان ہیں کہ اے شخص! تجھے اس عشق نے اتنا غافل کر دی کہ تو حقیقت جاننے کی بجائے اپنی ہستی کے راز کو کھو بیٹھا ہے اور مجنوں کی طرح دربدر آنسو بہا رہا ہے حالانکہ مجھے اسی عشق نے اپنے آپ سے اتنا نزدیک کر دیا ہے کہ میں اس ظاہری آنکھ سے اپنے باطن اور کائنات کے اسرار سے واقف ہو چکا ہوں۔ عشق کی یہ منزل اقبال کے وجود میں روحانیت اور تصوف کے بیج کو ثمر آور بنا کر اس کے دل کو بینا کرتی ہے جس سے وہ اس کائنات کے وجود کی اصل کو دیکھتا ہے۔ اقبال کے نزدیک عشق بیداریِ کائنات کا سب سے بڑا محرک ہے جو ظاہری آنکھ کی بجائے دل کی آنکھ سے موجوداتِ عالم کو دیکھ کر اس کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ وہ عشقِ حقیقی کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

عشق تو دلم ربود ناگاہ
از کار گرہ کشود ناگاہ
آگاہ ز ہستی و عدم ساخت
بتخانہ عقل را حرم ساخت (8)

(اردو ترجمہ: اچانک تیرے عشق نے میرا دل لوٹ لیا اور میری مشکل کا عقدہ ایک دم حل ہو گیا۔ عشق نے مجھے ہستی اور عدم سے آگاہ کر دیا۔ اس نے میرے بت خانہ عقل کو حرم بنا دیا۔)

عدم و وجود کی بحث انسان کی سوچ میں تب سے ہے جب سے انسان نے اس کا کرہِ ارض پر قدم رکھا ہے۔ عدم سے وجود کا تصور انسانی سوچ میں اضطراب کا باعث بنتا ہے۔ اسی کو بیاد بنا کر جدید دور میں بھی بہت سے نظریات نے جنم لیا اور اس کی مختلف تاویلیں پیش کی گئیں۔ اقبال نے اپنے فارسی کلام میں ایک لطیف احساس کو اجاگر کیا کہ عدم و وجود کے بارے میں تمام تر خیالات عقل کی کسوٹی پر پرکھے گئے ہیں اور اقبال کے نزدیک عقل ایسی چیز نہیں ہے جو صرف حقیقت کو دیکھے اور دھوکا نہ کھا سکے۔ اس کی اہمیت مسلم ہے لیکن ضروری نہیں اس کے فیصلے حقیقت پر مبنی ہوں اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج کو کماحقہ تسلیم کر لیا جائے کیوں کہ وسوسوں، خیالات اور وہم و گمان کی اماجگاہ بھی عقل ہے پھر کیسے اس سے حاصل شدہ نتائج حتمی تسلیم کیا جائے۔ اقبال اسی نکتے کی وضاحت کو اپنے فارسی کلام کے ذریعے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عشق نے مجھے اس ہستی اور عدم کی حقیقیت سے آگاہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے میری عقل جو بت خانہ کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ اب حرم کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ اور میں اس عشق کی بدولت ہستی اور عدم کی عقدہ کشائی میں کامیاب ہوا ہوں۔ اقبال کے فارسی کلام میں عشق کا تصور در حقیقت ذاتِ انسانی کی فضیلت کی تفسیر و تعبیر ہے۔ انسان کائناتِ عالم کا اعلیٰ و ارفع مظہر ہے اور اسی خوبی کی بدولت وہ خلیفۃ اللہ کا مصداق ہے اس نیابتِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی ہستی، وجودِ عالم اور عدم سے تخلیق پانے والی کائنات سے آشنا ہو۔ اقبال کے نزدیک یہ اسرارِ خفی عشق کی بدولت کھل کر ظاہر ہو سکتے ہیں۔ ان کے فارسی کلام میں عشق کو بینا آنکھ قرار دیا گیا جس کو عقل کی جان کہا گیا ہے۔ کہتے ہیں۔

بچشم عشق نگر تا سراغ او گیری
جہاں بچشم خرد سیمیاؤ نیرنگ است
ز عشق درس عمل گیر و ہر چہ خواہی کن
کہ عشق جوہر ہوش است و جانِ فرہنگ است (9)

(اردو ترجمہ: عشق کی آنکھ سے دیکھ تاکہ تو جہان کا سراغ پا سکے۔ عشق کی نظر میں تو یہ محض سحر و ساحری ہے۔ عشق سے عمل کا سبق لے اور جو چاہے کہ عشق ہی سمجھ کا جوہر اور عقل کی جان ہے۔)

اقبال کے کلام میں عقل اور عشق کا فلسفہ جابجا نظر آتا ہے ان کے نزدیک عقل انسان کے لیے ایک بہت بڑی نعمت ہے لیکن اس کی حدود محدود ہیں یہ اپنی ان حدوں میں رہ کر سوچتی ہے اس کی دسترس میں ظاہری اور ممکنات کا عنصر غالب رہتا ہے یہ ماورائے عقل حوادث کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے جب کہ عشق کا ایک وسیع میدان ہے۔جو انسانی آنکھ اور عقل کی حدود سے آگے بڑھ کر کائنات کی حقیقت کو دیکھتا ہے عقل کی حد اس کی نظر آنے والی اشیا تک محدود ہے جب کہ عشق کی آنکھ اس جہاں کے سراغوں کے راز کو کھول کر بیان کرتی ہے اسی لیے اقبال انسان کو عشق کی آنکھ سے جہاں کو دیکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔اقبال کے لیے عشق کو جان قرار دی کر ایک لطیف فرق کو واضح کرتے ہیں۔بے جان چیز مردہ ہوتی ہے اور مردہ جسم کے لیے کائنات بھی مردہ ہو جاتی ہے اقبال کے نزدیک وہ عقل بے جان ہے جس میں عشق کار فرما نہیں کیونکہ عشق حقیقت کا جوہر ہے اور جو اس جوہر کو اپنے عمل کا حصہ بناتا ہے اس عالم کے اسرار اس پر منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ محض عقل کی بنیاد پر حقیقت تک رسائی کا خواب تعبیر کا حامل نہیں ہو سکتا اسی لیے اقبال ان مفکرین سے اختلاف کرتے نظر آتے ہیں جو عقلیت پسندی کے حصاروں میں جکڑے ہوئے اپنے نظریات بیان کرتے ہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر اکبر حسین قریشی لکھتے ہیں:

"اقبال کے نزدیک یونانی فلسفہ کی خصوصیت اس کی عقلیت ہے اور اسلام کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ محسوس اور معقول دونوں حقیقت ہیں اس لیے اقبال افلاطون سے اختلاف کرتے ہیں۔"(10)

اقبال چونکہ ،اسلامی روایات کے امین ہیں اور ان کا خاندان اسلامی اصولوں کا پابند تھا اس لیے ان کی فکر میں جذبہ ایمانی ابھر کر سامنے آتا ہے یہی وجہ ہے وہ مغرب کے نظامن اور یونانی فلسفے کے مقابلے میں اسلامی فلسفے اور روایات کو کھل کر بیان کرتے ہیں عقلیت پسندی نے مادیت کو اس قدر فروغ دیا ہے کہ روحانیت کا پہلو مفقود ہو گیا ہے اقبال کے دور میں جہاں برصغیر میں معاشرتی کشمکش اور سیاسی بحران تھا وہاں عقلیت پسندی کے فروغ نے سب سے زیادہ اسلامی معاشرے کو متاثر کیا۔اقبال کے فارسی کلام میں عشق اور عقل کے تمام زاویوں کو اسی تناظر میں بیان کیا گیا ہے تاکہ عقلیت پسندی کے بروج کو توڑ کر عشق اور روحانی پہلوؤں کو اجاگر کیا جا سکے اسی تناظر میں اقبال کہتے ہیں:

بگدازاز عقل ودر آویز بموجِ یم عشق

کہ در آں جوے تنک مایہ گہر پیدا نیست

(11)

(اردو ترجمہ: عقل سے آگے گزر کر بحر عشق کی موج سے ٹکرا، کیونکہ عقل کی کم آب ندی میں کوئی موتی نہیں)

اقبال نے یہاں عشق و عقل کی حدود کو بیان کیا ہے ان کے نزدیک عشق ایک بحر ہے جس کی حدود وسیع اور تاثیر کمال درجہ پر ہے اس کے مقابل عقل ایک چھوٹی ندی کی مانند ہے جس میں کوئے ی گہر نہیں ہے۔عقل کو کم آب ندی سے تشبیہ دینا اس بات کی علامت ہے ک اس میں عق جیسی وسعت اور جذبہ موجود نہیں ہے عشق کو بحر سے تشبیہ دے کر اقبال اس کی حیثیت کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے بحر جس کی گہرائیوں میں کتنے راز اور کتنے گوہر پوشیدہ ہیں یہ اسی کو معلوم ہے جو اس کی وسعت اور گہرائیوں سے واقف ہے ندی کو باہر کھڑے دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی تہہ میں کتنی گہرائی ہے اور اس کے اندر کیا ہے اقبال نے کمالِ فن سے عشق اور عقل کی ماہیت کو شعری انداز سے بیان کیا ہے۔بحر اور ندی کا ذکر کر کے عشق اور عقل کی وضاحت کا پیرائیہ جہاں دلکش ہے وہاں جمالِ سخن اور کمالِ ادا سے مزین بھی ہے۔

اقبال کے نزدیک عشق ایک محرک جذبہ ہے اور یہ جذبہ ہر کسی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیتا۔بیان کرتے ہیں:

رمزِ عشق تو بہ ارباب ہوس نتواں گفت

سخن از تاب وتب شعلہ بہ خس نتواں گفت (12)

(اردو ترجمہ: عشق کی بات اہلِ ہوس سے نہیں کی جا سکتی، جیسے شعلے کی تاب وتب کی بات خس سے نہیں کی جا سکتی)

روحانیت اور مادیت دو متضاد پہلو ہیں اگرچہ روحانیت مکمل طور پر مادیت سے خارج نہیں کیونکہ اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے ضروریات انسانی کو پورا کرنا کسی طور پر بھی عبث نہیں لیکن اگر مکمل طور پر مادیت کے لباس کو اوڑھ لیا جائے تو بہت سی انسانی اقدار اور فطری اوصاف ختم ہو جاتے ہیں اقبال عشق کو روحانی لبادہ پہنا کر بیان کرتے ہیں اسی لیے ان کا نقطہ نظر ہے کہ عشق کی بات کو مادیت کے شکنجوں میں جکڑے شخص سے نہیں کرنی چاہیے کیونکہ مادیت کی مثال خس سے ہے جس کے

اندر نہ زندگی ہے اور نہ آگے بڑھنے کی طاقت ہے اگر عشق کی بات خس سے کی جائے گی تو عشق ایک شعلہ ہے جو اس کو جلا کر خاکستر کر دے گا اقبال کے نزدیک عشق ہر ظرف میں نہیں سما سکتا اس کا تعلق لالچ اور ہوس سے نہیں بلکہ روحانی اقدار سے ہے جو فطرت کے تقاضوں میں پنہاں ہیں اور جب عشق کے تقاضے پورے ہوتے ہیں تو یہ ایسی طاقت بن جاتا ہے جس کے مقابل کوئی بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ لکھتے ہیں:

تیشہ اگر بسنگ زد ایں چہ مقامِ گفتگو است
عشق بدوش می کشد ایں ہمہ کوہسار را
(13)

(اردو ترجمہ: تیشہ فرہاد نے اگر پہاڑ کاٹ دیا تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے عشق تو سارا کوہسار اپنے کندھے پر اٹھا سکتا ہے)

اردو اور فارسی کلام میں عشق کو مختلف انداز سے بیان کیا جاتا رہا ہے لیکن جس انداز میں اقبال نے تصورِ عشق کو بیان کیا ہے وہ روایت سے یکسر مختلف ہے انہوں نے عشقیہ مضامین میں نادر تراکیب اور تلمیحات کا استعمال اس انداز سے کیا ہے کہ کلام کی تاثیر دگنی ہو جاتی ہے۔ تیشہ فرہاد کو مختلف شعرا نے بطور تلمیح اپنے کلام میں بیان کیا ہے اور اس واقعہ سے عشق کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے لیکن اقبال نے اپنے کلام میں عشق کے لیے اس کو معمولی کا نامہ گردانا ہے۔ ان کے نزدیک عشق کا یہ ادنی سا کارنامہ ہے۔ جس کی بنا پر فرہاد نے تیشہ سے پہاڑ کاٹ ڈالا۔ عشق تو پورے کوہسار کو کندھوں پہ اٹھا سکتا ہے عشق کے بارے میں ایسا تخیل اور انداز اقبال کا خاصہ ہے اقبال عشق کے حوالے سے بیان کیے گئے مضامین اور تلمیحات کو نیا لباس پہنانے کا ڈھنگ رکھتے تھے جس سے قاری پر موثر اثرات پڑنے کے ساتھ ساتھ کلام کی جدت اور ندرت کے پہلو بھی اجاگر ہوتے ہیں۔ اقبال سے پہلے شاعر محبوب کے وصل اور جدائی کی تڑپ میں رطب اللسان تھے اقبال نے جدائی کو عشق کا تقاضہ قرار دیا اور اسے عشق کی بقا کا ثمر قرار دیا۔ لکھتے ہیں:

جدائی عشق را آئینہ دار است
جدائی عاشقاں را ساز گار است (14)

(اردو ترجمہ: جدائی عشق پیدا کرنے کا سبب پیدا کرتی ہے جدائی عاشقوں کو راس آتی ہے۔)

انسانی فطرت میں شامل ہے جو چیز اس کو آسانی سے میسر ہو یا جس چیز تک آسانی سے رسائی ہو اس کی اہمیت کم ہوتی چلی جاتی ہے اور اس کے برعکس جس چیز کے لیے انسان بہت زیادہ تگ و دو کرتا ہے وہ اس کی نظر میں اتنی اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔ اقبال نے فطرت انسانی کے سانچوں میں تصر عشق کو رکھ کا بیان کی ہے۔ ان کے نزدیک جدائی اور تڑپ عشق کی 'لو' کو جلا بخشتے ہیں اور یہ عاشقوں کے لیے وہ نسخہ اکسیر ہے جو انہیں اس راز سے بھی آگاہ کرتا ہے اور اس کی لذت سے بھی معمور کرتا ہے۔ اقبال کے نزدیک جدائی، وارداتِ عشق کو کیف و سرمستی میں ڈبو کر کندن بنا دیتی ہے جس سے عاشقوں کو قلبی تسکین اور عشقیہ پہلو میں تزکیہ کا وقت ملتا ہے۔ ان کے نزدیک ذوقِ دید کی فراوانی عشق کی کمی کا باعث بنتے ہیں۔

ذوقِ حضور در جہاں رسمِ صنم گری نہاد
عشق فریب می دہد جانِ امید وارا
(15)

(اردو ترجمہ: ذوقِ دید نے رسمِ بت گری کی بنیاد رکھی۔ عشق اسی طرح دید کے خواہش مند کو فریب دیتا ہے)

اردو اور فارسی شاعری میں شعرا نے محبوب کی صورت بیان کرنے میں اس قدر مبالغہ سے کام لیا ہے کہ قاری کے گمان میں محبون کے تصور کا عکس اور تشبیہات کا اثر زیادہ ہو گیا۔ بعض دفعہ تو ایسے اشعار لکھے گئے جو محبوب کو ایک جیتی جاگتی ہستی کی بجائے ایک تخیلاتی اور ماورائی مخلوق دکھانے لگے۔ شعرا نے خوبصورتی میں مبالغے کے ساتھ ذوقِ دید کی تڑپ میں دل کی وہ کیفیت بیان کی جیسے محبوب کو دیکھے بغیر، دل کی دھڑکن اور سانسوں کی روانی برقرار نہیں رہے گی۔ اس جذبے نے گویا تصورِ بُت گری کی بنیاد رکھی عشق میں طلبِ دید میں اعتدال، اقبال کے نزدیک لازم امر ہے ورنہ ذوقِ دید ایک افسانوی انداز میں تاثیر اور طلب کے بنا بس لفظوں کے دروبست

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com/
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

تک محدود ہو جاتا ہے عشق اسی طرح کے خواہش مند افراد کو دھوکا دیتا ہے اسی لیے اقبال متمنی ہیں کہ محبوب سے دوری اور دلی کیفیت میں عشق کا رچاؤ ہی اس جذبے کو محفوظ بناتا ہے اور اقبال عشق میں اسی جذبے کے قائل ہیں۔اقبال کے نزدیک یہ جزبہ عشق ہی انسان کی لازوال طاقت ہے۔بیان کرتے ہیں۔

لشکرِ پیدا کن از سلطانِ عشق
جلوہ گر شو بر سرِ فارانِ عشق (16)

(اردو ترجمہ: عشق کی قوت سے لشکر تیار کر اور عشق کے فاران کی چوٹی پر جلوہ گر ہو)

قوتِ عشق اقبال کے نزدیک ایک ناقابل تسخیر جذبہ ہے جو انسان کے لیے بہت سے مشکل در وا کرتا ہے۔اقبال انسان سے تقاضا کرتے ہیں کہ اس طاقت کی بدولت تو عشق کے فاران کی چوٹی پر جلوہ گر ہو۔فاران اسلامی تاریخ میں ایک مقدس پہاڑ ہے جس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اقبال نے بہت خوبصورت انداز سے عشق کو فاران کے پہاڑ سے جوڑ کر تلمیح کا پہلو نکالا ہے۔اقبال کے کلام میں عشق جہاں گہرے جذبات کا خواہاں ہے وہ اس کے لیے وسعتِ قلبی اور حقیقتِ نظری ضروری ہے اسی ضمن میں لکھتے ہیں:

عشق شور انگیز بے پروائے شہر
شعلہ او میر داز غوغائے شہر (17)

(اردو ترجمہ: عشق شہرِ جنوں سے بے نیاز ہے شہر کے شور و غل میں اس کا شعلہ بجھ جاتا ہے)

انسان اس دنیا میں ایسا گم ہوتا ہے کہ اسے حقیقت اور مقصدِ حیات بھول جاتا ہے دنیا کی رنگینی اسے اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہے۔اس مادی حصار سے نکلنے کے لیے تنہائی اور گہری سوچ و بچار ضروری ہے۔اسی ضمن میں اقبال کہتے ہیں کہ عشق ایسے شور و غل سے دور بھاگتا ہے وہ دنیا کی رنگینی سے زیادہ اس کی حقیقی تصویر کا خواہاں ہوتا ہے اگر اسے پنپنے کا موقع نہ ملے تو اس کا شعلہ بجھ جاتا ہے۔اقبال کے اس بیان کو اگر موجودہ دور کی مشینی زندگی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے معمولات بھی مشینی ہو گئے ہیں۔خواہشات انسانی اور معاشرتی تقاضوں نے انسان کے اندر کی دنیا کو دفن کر کے رکھ دیا ہے زندگی اس طرح سے مصروف ہو گئی ہے کہ انسان کو اپنی ذات اور کائنات کے بارے سوچنے کا بہت کم وقت ملتا ہے اقبال کے نزدیک یہی انسان کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے کہ وہ دنیا کے شور و غل میں پھنس جائے اور اپنی ذات کی پہچان سے قاصر رہے۔عشق متقاضی ہے اپنی خاص بزم کا اپنے خاص زاویوں کا اور اپنی خاص کیفیات کا جو دل و دماغ کو متاثر کر کے انسانی زندگی کو فنا اور بقا کے رازوں سے آگاہ کرتی ہے۔اقبال اسی ضمن میں لکھتے ہیں:

انتہائے عاشقاں سوز و گداز
کردم اندر اقتدائے او نماز
رازہائے آں قیام و آں سجود
جُز بہ بزمِ محرماں نتواں کشود (18)

(اردو ترجمہ: عشق کی انتہا سوز و گداز ہے میں نے اس کے پیچھے نماز ادا کی اس نماز کے قیام و سجود کے راز صرف اپنوں ہی کی بزم میں بیان کیے جا سکتے ہیں)

اقبال نے عشق کی انتہا کے لیے سوز و گداز کو ضروری قرار دیا ہے ان کی شاعری میں جہاں بھی جذبہ عشق بیان کیا گیا ہے وہاں سوز و گداز کا عنصر لازمی نظر آتا ہے۔اقبال کے سوز و گداز کے راز ہر کسی پر نہیں کھلتے۔اس کے لیے وہ کیفیت ضروری ہے جو ان اسرار کے در وا کرتی ہے۔اسی لیے اقبال کہتے ہیں کہ یہ راز ہر بزم میں نہ بیان کیے جا سکتے ہیں اور نہ ہر کسی کو ان کی سمجھ آتی ہے۔اس کے لیے عشق کے دردمندوں کی خاص بزم ہے اور میں نے اس عشق کے امام کے پیچھے نماز ادا کی ہے جس کی وجہ سے میرے سوز و گداز میں وہ تاثیر ہے جس کو ہر حقیقی عاشق محسوس کر سکتا ہے اور یہ ایک ایسا دریا ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔یہ اپنی مستی میں موجزن رہتا ہے اور اس کے سوز و گداز میں کائنات کے راز پنہاں ہیں۔اقبال لکھتے ہیں:

در آں دریا کہ او را ساحلے نیست
دلیلِ عاشقاں غیر از دلے نیست (19)

Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

(اردو ترجمہ: عشق کا دریا وہ ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، وہاں دل کے سوا کوئی راہنما نہیں)

اقبال کے نزدیک عشق وہ بحرِ بیکراں ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے اور اس دریا میں دل کے سوا کوئی غوطہ زن ہو کر اس دریا سے گوہر نہیں نکال سکتا۔ اس دریا کی گہرائی کا نقشہ، عاشقوں کے دل میں نقش ہے اور وہ اس نقشے پر اپنی زندگی کے سفر کو رواں رکھتے ہیں۔ علامہ اقبال کی اردو اور فارسی شاعری میں جہاں نئے مضامین اور نئی تراکیب دیکھنے کو ملتی ہیں وہاں مضامین میں جدت اور انوکھا پن نمایاں ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے فارسی کلام میں تصورِ عشق کو حقیقی رنگ، خوبصورت تشبیہات و استعارات کے استعمال، الفاظ کی تقدیس اور دروبست اور زیبائی و رعنائی کو جس کمالِ فن سے برقرار رکھا ہے وہ قابلِ داد بھی ہے اور قابلِ تحسین بھی ہے۔ اقبال سے پہلے مختلف ادوار کے شعرا، تصورِ عشق کو مجاز کے سانچوں اور زاویوں پر بیان کر کے دادِ سخن وصول کرتے رہے۔ جہاں کسی نے خالصتاً عشقِ حقیقی کو بیان کرنے کی کوشش کی وہاں اس کا کلام اس مضمون کے خشک لبادے میں پھنس کر رہ گیا۔ علامہ اقبال نے جس انداز سے فلسفہِ عشق کو نئے انداز اور اسلامی نقطہِ نظر کے حوالے سے بیان کیا ہے وہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے فارسی کلام میں تصورِ عشق کے حوالے سے اتنی جہات ہیں جن کی عقدہ کشائی وقت کے ساتھ ساتھ ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ان کی ایک اور بہت بڑی خوبی الفاظ کا برمحل استعمال اور تقدیسِ لفظ کو نگاہ میں رکھنا ہے۔ انہوں نے پورے فارسی کلام میں جہاں بھی عشق کے مضامین کا انتخاب کیا ہے لفظوں نے ان کا ساتھ دیا ہے اور تلمیحات و تراکیب نے ان کے فارسی کلام کے حسن کو دوبالا کیا ہے۔

حوالہ جات و حواشی

1۔ محمد اقبال، اسرار و رموز، مشمولہ کلیاتِ اقبال فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1992، ص 30
2۔ ڈاکٹر سلیم اختر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، چھبیسواں ایڈیشن، سنگِ میل پبلشرز، لاہور، 2008، ص 431
3۔ محمد اقبال، رموزِ بے خودی، مشمولہ کلیاتِ اقبال فارسی، ص 192
4۔ سورۃ حج، آیت 9
5۔ محمد اقبال، پیامِ مشرق، مشمولہ کلیاتِ اقبال فارسی، ص 406
6۔ ایضاً، ص 510
7۔ خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی، 2008، ص 205
8۔ محمد اقبال، پیامِ مشرق، مشمولہ کلیاتِ اقبال فارسی، ص 223
9۔ ایضاً، ص 651
10۔ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی، مطالعہ تلمیحات و اشاراتِ اقبال، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، ص 127
11۔ محمد اقبال، پیامِ مشرق، مشمولہ کلیاتِ اقبال فارسی، ص 689
12۔ محمد اقبال، زبورِ عجم، مشمولہ کلیاتِ اقبال فارسی، ص 97
13۔ ایضاً، ص 899
14۔ ایضاً، ص 1109
15۔ محمد اقبال، جاوید نامہ، مشمولہ کلیاتِ اقبال فارسی، ص 1269
16۔ محمد اقبال، اسرار و رموز، مشمولہ کلیاتِ اقبال فارسی، ص 69
17۔ محمد اقبال، جاوید نامہ، مشمولہ کلیاتِ اقبال فارسی، ص 1209
18۔ محمد اقبال، پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق، مشمولہ کلیاتِ اقبال فارسی، ص 121
19۔ محمد اقبال، ارمغانِ حجاز، مشمولہ کلیاتِ اقبال فارسی، ص 1829

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com/
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921